ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اُردو افسانے میں معاشرتی مسائل اور حقیقت نگاری

(محمد حمید شاہد کے حوالے سے)

SOCIAL ISSUES AND REALISM IN URDU FICTION

(REGARDING MUHAMMAD HAMEED SHAHID)

شمیر احمد ملک

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو، دی اسلامیہ یونیورسٹی آف بہاولپور، پنجاب

Shahmir Ahmed Malik

Doctoral Candidate, Department of Urdu, The Islamia University of Bahawalpur, Punjab.

Abstract:

In this article, cowardice and disloyalty of men in the society, insulting treatment of employees, apparently sympathetic and feeling but in reality illegal relations with Women employees, oppression and destruction of their lives, avoiding humiliation of men. Killing children for the sake of non-judgment, humiliating motherhood for the sake of children, depriving women of their right, uncovering the true nature of society, depriving art of a universal and natural state, putting art in comparison with wealth. No reward despite hard work. In fiction, emotional atmosphere, emotional atmosphere and Emotional attachment, presenting the spirit of self-sacrifice and sacrifice of the society in a positive way, using the style of realism with technical skills. Covering people's lives and their problems, poor and oppressed classes. Economic conditions of Innocent people in universities are involved in drugs like heroin and falsely accused and social problems and reality are presented.

Keyword:: Social problems, Realism, Fiction, Muhammad Hameed Shahid, Human,Life Man, oppression and oppression, Women.

(خلاصہ) اس مضمون میں معاشرے میں مردوں کی بزدلی اور بے وفائی، ملازموں کے ساتھ توہین آمیز سلوک، بظاہر ہمدرد اور احساس لیکن حقیقت میں خواتین ملازموں کے ساتھ ناجائز تعلقات ان پہ ظلم و جبر اور ان کی زندگی کی بربادی، مرد کا ذلت سے بچنے کے خاطر ناجائزہ اولاد کو قتل کرنا، اولاد کے خاطر ممتا کو ذلت برداشت کرنا عورت کا حق سے محروم ہونا، معاشرے کی اصلیت کا پردہ چاک کرنا، فن پارے کا ایک آفاقی اور قدرتی کیفیت سے محروم ہونا، فن کو دولت کے مقابلے میں رکھنا، سخت محنت کے باوجود صلے کا نہ ملنا۔ افسانوں میں جذباتی ماحول، جذباتی فضائی اور جذباتی وابستگی، معاشرے کے ایثار و قربانی کے جذبے کو مثبت انداز میں پیش کرنا، حقیقت نگاری کے اسلوب کو فنی مہارت کے ساتھ برتنا۔ لوگوں کی زندگی اور ان کے مسائل کا احاطہ، غریب اور مجبور طبقات کے معاشی حالات۔ یونیورسٹیوں کے معصوم لوگوں کو ہیروئن جیسی نشہ آور چیزوں میں ملوث کر کے جھوٹے الزامات میں پھسانا اور سماجی مسائل اور حقیقت کو پیش کیا گیا ہے۔

(کلیدی الفاظ) معاشرتی مسائل، حقیقت نگاری، افسانہ، محمد حمید شاہد، انسان، زندگی، مرد، جبر و ظلم، عورت۔

اردو افسانے نے آغاز سے ہی قاری کے جذبات و احساسات، معاشرتی، حقیقت پسندی، سماجی، سیاسی و معاشی حالات کو موضوع تحریر بنایا ہے، زندگی کے مثبت و منفی پہلوؤں کو اردو افسانہ نگار نے ہر طرح کے معاشرتی و سیاسی مسائل کو اپنے افسانوں میں اجاگر کیا ہے۔ محمد حمید شاہد کا شمار اہم افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے انہوں نے بیسویں صدی کی آخری دہائی سے لکھنا شروع کیا۔ ان کے افسانوں کا رجحان معاشرتی مسائل اور حقیقت نگاری کی طرف بھی رہا ہے۔ محمد حمید شاہد نے اپنے افسانوں میں معاشرتی مسائل کو ایک نئے اور منفرد انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کا افسانہ ''کہانی اور کرچیاں'' کا موضوع ہمارے معاشرے میں بکھرا ہوا ملتا ہے۔ یہ افسانہ معاشرتی مسائل کی عکاسی کرتا ہے۔ یہ افسانہ مردوں کی بزدلی اور بے وفائی کے گرد گھومتا ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار ایک کہانی کار واصف ہے جو اپنے دوست کے پاس اکثر اپنی کہانی سنانے آجاتا ہے۔ ایک دفعہ جب وہ اپنے دوست کے پاس آتا ہے تو وہ اس کی بے چینی اور بے قراری کو محسوس کرتا ہے۔ دوست کے اِصرار پر وہ اسے بتاتا ہے کہ شانوں جو کہ اس کے گھر کی ملازمہ تھی اور کچھ عرصے سے لاپتہ تھی اچانک اس کے گھر ایک نو مولود بچے کو اٹھا کر آگئی۔ اس کی بیوی نے اسے بدکردار جان کر اسے گھر سے نکال دیا۔ اقتباس دیکھئے۔

''توبہ توبہ، خدا کا قہر نازل ہو تم پر۔ ذلیل کمینی آخر کم ذات ہی نکلی نا تم۔''

اس کی شکل دیکھو اور اس کے لچھن، منہ مومناں کر توت کافراں، اللہ میری توبہ!۔''

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

اس کی بیوی(فاخرہ) اپنے کانوں کو چھونے کے بعد شانوں پر برس پڑی اور کہا کہ:

''اب اِس حرام زادے کو میرے دروازے پر کیوں لائی ہو حرام خور؟ جس سے منہ کالا کیا ہے، اُسی کے پاس چل مر۔''

فاخرہ غصے میں آپے سے باہر ہو رہی تھی۔ شانوں کو دَھکے دِے کر بچے سمیت باہر نکال دیا اور اندر سے کنڈی چڑھالی۔''(1)

شانوں پوری رات باہر دیوار سے لگ کر بیٹھی رہی۔ یہاں واصف اپنی بات ختم کر دیتا ہے۔ واصف اپنے رویے سے بظاہر ایک ملازمہ کے لئے ہمدرد اور حساس طبیعت کا مالک نظر آتا ہے۔ واصف کی یہ بے چینی اور بے قراری وقتی ہوتی ہے اور بعد میں وہ روزمرہ کے معمولات کی طرف واپس لوٹ آتا ہے۔ اچانک تین سال بعد اس (واصف) کے دوست کی ملاقات اس ملازمہ (شانوں) سے ہو جاتی ہے اور اس پر یہ حیرت انگیز انکشاف ہوتا ہے کہ اس ملازمہ کی بربادی کا سبب اس کا دوست واصف بھی ہے۔ اس کہانی میں محمد حمید شاہد نے ایک عام معاشرتی مسئلے کو موضوع بنایا ہے جو معاشرے میں ملازموں کے ساتھ توہین آمیز سلوک کی عکاسی کرتا ہے اس کے ساتھ ساتھ یہ افسانہ مرد، عورت کے فرق اور عظمت کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ باپ اپنے آپ کو ذلت سے بچانے کے لئے اپنے بچے کو مار ڈالنا چاہتا ہے۔ یہ اس کی بزدلی ہے مگر عورت اپنی ممتا کے جذبے سے مجبور ہے وہ خود تو ذلت برداشت کر لیتی ہے مگر اپنے بچے پر کوئی آنچ نہیں آنے دیتی۔ افسانہ ''کہانی اور کرچیاں'' میں شانوں کے کردار میں کی گئی محنت قابل داد ہے۔ قدم قدم پر اس کے کردار سے ہمدردی کا جذبہ ابھرتا ہے۔ اسی طرح اس کے ناجائز بیٹے امجد سے بھی ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ کہانی کے آخر میں عورت کی عظمت، ہمت اور مرد کی سفاکی اور بزدلی ظاہر ہو جاتی ہے۔ مصنف (واصف) کا دوست جو اس کو ایک عظیم انسان سمجھتا ہے اصلیت معلوم ہونے کے بعد اسے سفاک اور گرا ہوا انسان نظر آتا ہے۔

''ماسٹر پیس'' محمد حمید شاہد کا ایک ایسا افسانہ ہے جس میں اان کی ذاتی زندگی جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔ یہ ایک ایسے افسانہ نگار کی روداد ہے۔ جو افسانہ نگاری ترک کر کے تنقید کے میدان میں آجاتا ہے۔ یہ افسانہ ہمارے معاشرے کی اس اصلیت سے بھی پردہ چاک کرتا ہے کہ جہاں فن کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور فن کو دولت کے مقابلے میں رکھ کر دیکھا اور پرکھا جاتا ہے۔ افسانے کا مرکزی کردار ایک مشہور و معروف افسانہ نگار ہوتا ہے جس نے افسانہ لکھنا چھوڑ دیا ہے اور اسے یہ خدشہ ہوتا ہے کہ وہ پرانا معیار برقرار نہ رکھ سکے گا۔ افسانہ نگار تنقید کے میدان کو اختیار کرتا ہے اگرچہ اسے اس میں فائدہ کم ہوتا ہے اور گھر کے اخراجات بھی پورے کرنے میں مشکل درپیش آتی ہے۔ اسی دوران اس کا ایک پرانا دوست ایک ادبی پرچہ نکالنے کا ارادہ کرتا ہے اور میڈیا کے ذریعے یہ اشتہار بھی دے دیتا ہے کہ اس میں اس کے دوست (جو کہ معروف افسانہ نگار ہے) کا افسانہ بھی شامل ہوگا۔ افسانہ نگار اپنے دوست کو بہت سمجھاتا ہے کہ وہ اب اس فن کے تقاضے پورے نہ کر سکے گا۔ اقتباس ملاحظہ ہے۔

''میں نے اس سے لاکھ سمجھایا کہ میں نے افسانے لکھنا چھوڑ دیئے ہیں، لیکن یہ بات اس کی کھوپڑی میں بیٹھتی ہی نہیں۔(2) تم ہی لکھنا شروع کر دو۔'' شاہد اُسے کیا خبر نہیں کہ افسانے لکھنے کے لیے خون جگر جلانا پڑتا ہے۔''(3)

کیونکہ وہ دو سال قبل افسانے لکھنا چھوڑ چکا ہے۔ مگر اپنے دوست کے بے حد اصرار اور کچھ پیسوں کی خاطر وہ افسانہ لکھنے کی حامی بھر لیتا ہے۔ اقتباس دیکھئے۔

''پھر گڈو کے لیے اونچی ایڑی کے سینڈل اور منے کے لیے وردی۔ بیگم کے لیے خوبصورت ساڑھی۔ بس خوش ہو ہی جائے گی ایک دم۔

''میں افسانہ لکھوں گا اور ضرور لکھوں گا''۔''(4)

افسانہ نگار اپنے اس افسانے کو ہر لحاظ سے شاہکار بنانا چاہتا ہے اس لئے وہ اس پر بہت محنت سے کام لیتا ہے۔ اس افسانے کو اپنی انوکھی تخلیق بنانے کے لئے اس کا اختتامیہ بہت ہی دلچسپ انداز میں تحریر کرتا ہے اور یہی آخری حصہ اس افسانے کو دوسروں سے ممتاز بناتا ہے۔ جب افسانہ شائع ہو کر آتا ہے تو افسانہ نگار کو یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے کہ وہی آخری حصہ شامل نہیں کیا گیا اور اس کی جگہ اشتہار نے لے لی ہے۔ افسانہ نگار پر اس کا اتنا گہرا اثر ہوتا ہے کہ وہ انتہائی دکھ کے عالم اور غصے میں اس سے حاصل ہونے والی آمدنی اپنے دوست کے منہ پر مارتا ہے اور اس پر برہم ہوتا ہے۔ اس افسانے کے دلکش اسلوب اور چٹخارے دار جملے بھی قاری کو منظوم کرتے ہیں۔

افسانہ ''ماخود تاثر کی کہانی'' میں محمد حمید شاہد نے ایک ایسے معاشرے کا منظر پیش کیا ہے۔ کہانی کی مرکزی کردار خاتون کو اپنے رفیق حیات میں لمبی تھوتھنی والے جانوروں کی شباہت نظر آتی ہے۔ یہ ایک مجذوب کی نگاہ کا اثر ہے اور اسی اثر سے وہ اپنے رفیق حیات کی تمام کتابوں کو آگ لگا دیتی ہے تو اس کا شوہر اپنی اصل جون میں آجاتا ہے۔ شعلے بھڑکنے لگتے ہیں اور وہ آگ کی تپش سے موم کی طرح پگھلتا جاتا ہے۔ اقتباس ہے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

''جب وہ سارے کا سارا پگھل جاتا ہے تو میں اسے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیتی ہوں۔۔۔۔۔ میں اسے دیکھتی ہوں اور موم کی طرح کے اس وجود کو محبت کی پوروں سے اصلی خال وخد میں لاتی ہوں۔''(5)

''ماخود تاثر کی کہانی'' میں محمد حمید شاہد نے بظاہر بیوی سے مکالمہ کیا ہے لیکن حقیقت میں انہوں نے آج کے افسانے کا منشور رقم کر دیا ہے۔اس افسانے میں افسانہ نگار کی بیوی کا کردار ہے جس نے کہیں بچپن میں ایک شکاری کی ڈائری پڑھی تھی جس میں درندہ ہر شب ایک انسان کو نگل جاتا ہے۔تب سے یہ جانوروں کی کہانیاں پڑھنے سے ہچکچاتی تھی کیونکہ اس کے اندر ایک خوف سا جاگزیں ہے۔اس کا شوہر ایک مصنف ہے جو جانوروں کی کہانیاں لکھتا ہے اور بیوی کو پڑھنے کے لئے کہتا ہے۔لیکن وہ انہیں پڑھ نہیں پاتی۔اقتباس دیکھئے۔

''۔۔۔اور میں جانوروں کی کہانیاں نہیں پڑھ سکتی۔

جب میں اُس کی بات نہیں مانتی یا پھر اُس کی بات کاٹ دیتی ہوں تو وہ مشتعل ہو جایا کرتا ہے۔

میں مزید خوف زدہ ہو جاتی ہوں۔

ایسے میں جھوٹ بول دیتی ہوں کہ میں نے اس کی کہانی پڑھ لی ہے۔

وہ خُوش ہو کے پوچھتا ہے۔

''بتاؤ کیسی لگی؟''

میں جھوٹ موٹ کی تعریف کرتی ہوں اور روایتی جملے بول دیتی ہوں۔''(6)

''۔۔۔جب وہ اپنی بات نامکمل چھوٹتا دیکھتا ہے، تو طیش میں آجاتا ہے۔

میں ایک مرتبہ پھر دروغ گوئی کا سہارا لیتی ہوں اور کہتی ہوں:

''میں وہ ساری باتیں سمجھ گئی ہوں جو تم نے کہانی میں بیان کی ہیں۔''

''ساری باتیں، جو علامت اور استعارے کی زبان میں ہوئی ہیں وہ بھی؟''(7)

تو خاتون کی کہانی نہ پڑھنے کی وجہ سمجھ میں آجاتی ہے وہ جانتی ہے کہ اگر اس نے اپنے شوہر کے ذہن میں کلبلانے والی کہانیاں پڑھ لیں تو وہ اپنی ہستی کا اعتبار گنوا بیٹھے گی اور اپنے وجود کے اس جواز سے محروم ہو جائے گی جو ایک کتیا کی طرح دہلیز پر پڑا اپنے ہونے کی گواہی دے رہا ہوتا ہے۔اس افسانے کا مجذوب اسی شخص کے جبر کا ایک دوسرا عکس ہے۔''ماخود تاثر کی کہانی'' میں افسانہ نگار نے کمال مہارت اور فنکاری سے اپنے دور کے افسانے ہی کی نہیں اپنی کہانی کی بھی تنقید پیش کی ہے کہ آج کی کہانی علامت اور استعارے کی زبان میں استعمال ہوتی ہے۔کہانی میں قاری کو بعض اوقات وہ شے بھی نظر آتی ہے۔جسے افسانہ نگار نے بیان نہیں کیا ہوتا۔نئی کہانی قاری پر الگ مفہوم کھولتی ہے، تحرک خیال کو اگر افسانہ نگار خود بیان کر دے تو یہ کہانی کو محدود کرنے والی بات ہو گی افسانہ نگار کہانیوں کے ذریعے اپنی ذات اور اپنے عہد کی دریافت کرتا ہے کہ نئی کہانی کا موضوع انسان ہے جو ہر دور کے بڑے ادب اور الہامی کتابوں کا امتیاز وصف رہا ہے۔''ماخود تاثر کی کہانی'' میں تخلیقی عمل اور تخلیق کاروں کے ضمن میں تین اہم باتوں کی طرف اشارہ ہے پہلا یہ کہ جب تخلیق کار خود کو معاشرے، زندگی اور عام انسان سے بالاتر سمجھ لیتا ہے تو وہ ارد گرد سے کٹ کر دانستہ ہی سہی لیکن غمگیں شخصیت کا مالک بن جاتا ہے۔تخلیقی کرب کا لبادہ اوڑھ کر خود بھی اذیت میں رہتا ہے اور دوسروں کو اذیت میں دیکھ کر بے حسی اور سنگدلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔دوسرا یہ کہ جب کوئی تخلیق کار کسی خاص مکتبہ فکر کا اثر قبول کرتا ہے تو وہ اس کی تخلیقات کے طبع زاد ہونے اور ان کے بے ساختہ پن کو ضرور مجروح کرتا ہے۔یہ رویہ تخلیق کار کے اصل جوہر کو متاثر کرتا ہے اور وہ اپنے باطنی رجحانات اور خیالات کے فطری دباؤ سے کٹ جاتا ہے ایسی صورت میں تخلیقی عمل محض ایک میکانکی عمل بن کر رہ جاتا ہے اور فن پارے ایک آفاقی اور قدرتی کیفیت سے محروم ہو جاتے ہیں۔تخلیق کار جیسے بھی ترجیح دیتا ہے وہ یقیناً اس کی ذاتی اور عملی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتا ہے۔تیسرا ماخود تاثر کی کہانی ایک عالمگیر اور اہم مسئلے یعنی انسان کی محبت کے لئے خوراک، ہوا اور دوائی کی طرح اہم ہے۔انسان خواہ عقل و فکر کے آخری کنارے کو چھو آئے۔یا پھر شہرت کی کسی بھی بلندی پر پہنچ جائے اسے محبت اور توجہ کی ضرورت ہے۔انسانی نفسیات کی بڑی سے بڑی اور کبھی پیچیدہ سے پیچیدہ ذہنی کیفیت کا واحد حل محبت ہے۔محبت آج کے انسان کی انفرادی اور اجتماعی ضرورت ہے۔کتوں، چوہوں اور سانپوں کی اس بستی میں ایک مجذوب کے آنے سے افسانے کا مرکزی کردار ایک روحانی تجربے سے گزرتا ہے۔بعد ازاں وہ اپنے رفیق حیات کی تمام کتابوں سارے مردہ علم کو نذر آتش کر دیتی ہے۔بے شک محبت کا آب

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

حیات ہی اس معاشرے کی مخلوق کو آدمی کی جون میں واپس لا سکتا ہے۔ یہ افسانہ مصنف کے ادبی مطالعے کا غماز ہے۔

افسانہ ''منجھلی'' میں روایات اور بھائیوں کی باہمی محبت اور ایک دوسرے کے لیے ایثار کی کہانی ہے۔ ہمارا معاشرہ ایسی مثالوں سے بھرا پڑا ہے کہ ایک بھائی نے اپنا بچہ اپنے بے اولاد بھائی اور بھابی کی گود میں دے دیا۔ اس طرح کے فیصلے بھائی کی محبت میں کیئے جائیں یا والدین کے اصرار پر، انسان کو عمر بھر کی ایک تشنگی دے جاتے ہیں۔ ''منجھلی'' دراصل محمد حمید شاہد کی اپنی کہانی ہے۔ انہوں نے اپنی منجھلی بیٹی کو اپنے بھائی اور بھابی کے سپرد کر دیا تھا جس کو انہوں نے ہی پالا اور وہ اب انہی کی بیٹی ہے۔ محمد حمید شاہد کا افسانہ ''منجھلی'' افسانوی مجموعہ ''جنم جہنم'' کا ایک ایسا افسانہ ہے جس میں موضوع کا ایک نیا پن ملتا ہے محمد حمید شاہد نے پہلی بار ایک ایسے موضوع سے اردو افسانے کو متعارف کروایا ہے جو معاشرے میں موجود تو نہ جانے کب سے تھا۔ لیکن کسی کی توجہ کا مرکز نہ بن سکا۔ اس افسانے میں پتھر کو پگھلا دینے والی صلاحیت موجود ہے۔ بچے اور پاکیزہ جذبوں کا ترجمان یہ افسانہ اپنے اندر خاصی وسعت رکھتا ہے۔ افسانے کی کہانی کچھ یوں ہے کہ ایک شخص اپنی شیر خوار بچی اپنے بے اولاد بھائی کے سپرد کر دیتا ہے۔ یہ اس کی اپنے بھائی سے والہانہ محبت کا اظہار ہے۔ لیکن بعد میں اسے اس چیز کا بھی احساس ہے کہ اس نے اپنے بیوی بچوں اور حتیٰ کہ خود اپنا بھی کڑا امتحان لیا ہے۔ پھر اپنے اس فیصلے پر حیران ہو کر کہتا ہے۔ اقتباس دیکھئے۔

''سچ تو یہ ہے کہ اِتنا بڑا فیصلہ میں نے نہیں کیا تھا، خود بخود ہو گیا تھا۔

دراصل بھائی اور بھابی دونوں اتنی محبت کرنے والے اور خیال رکھنے والے ہیں کہ اُن کے لیے کچھ بھی کیا جا سکتا ہے۔

بیگم نے بھی مخالفت نہ کی تھی۔

بس ہکا بکا دیکھتی رہی تھی۔

اگرچہ وہ کچھ نہ بولی مگر اس کی آنکھیں نمی سے بھر گئی تھیں۔'' (8)

''منجھلی'' لے پالک بچوں کی نفسیات سے مربوط موثر کہانی ہے۔ ان بچوں کا مسئلہ انتہائی پیچیدہ، خاندانی اور سماجی مسئلہ ہے۔ یہ بچے جہاں ایک خاندان کی محرومی دور کرتے ہیں۔ وہاں اپنے اصل والدین کی دائمی بے چینی کا سبب بھی بنتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان بچوں کی اپنی نفسیاتی زندگی بھی انتشار اور داخلی خلفشار کا شکار رہتی ہے۔ نئی جگہ ان کے لئے خواہ کتنی بھی پر سکون ہو انہیں ہر دم یہی احساس ستاتا ہے کہ وہ غیر محفوظ ہیں اور یہ احساس ان کی آئندہ زندگی پر منفی اثرات چھوڑتا ہے۔ منجھلی کو بھائی اور بھابھی کے سپرد کر دینے کے بعد باپ کا یہ دیرپا تاثر مسلے کی سنگینی کو واضح کرتا ہے۔ منجھلی میں مامتا کا عکس پورے احساسات کے ساتھ جھلکتا ہے اس افسانے میں محمد حمید شاہد نے لہو کے رشتوں کی محسوسات کو لفظ کرنے میں کمال ہنر سے کام لیا ہے۔ منجھلی دل کو چھو لینے والا اور ہلکی بارش کی طرح آہستہ آہستہ احساسات کی زمین میں دھنس جانے والا افسانہ ہے اس افسانے میں جذباتی ماحول، جذباتی فضا اور جذباتی وابستگی استوار کی گئی ہے۔ اس افسانے کو پڑھتے ہوئے نظر نہ آنے والے آنسوں سے قاری کا گلا رُندھ جاتا ہے اور قاری ڈرتا ہے کہ یہ دریا کسی بھی وقت کناروں سے چھلک سکتا ہے۔ اقتباس دیکھئے۔

''۔۔۔دفعتاً گڑیا کے رونے کی آواز سنائی دی۔ بیگم نے تڑپ کر میری طرف دیکھا۔ وہ بھی غالباً ساری ساری وہیں تھی۔

''سنیں''

''ہوں''

''گڑیا رو رہی ہے''(9)

''ہاں مگر وہ چپ ہو جائے گی''

''دیکھیں''

میں نے اُسے دیکھا۔

''وہ یوں چپ نہیں ہو گی''

''کیوں''

''اُسے بھوک لگی ہو گی۔''

اُس نے آنکھیں بند کر کے یوں سر جھکا لیا جیسے اَپنے اَندر مچلتی دودھ کی دَھاروں کو محسوس کر رہی ہو۔''(10)

اپنے بچے کو اپنے آپ سے جدا کر کے کسی کو دے دینا کیا ہوتا ہے۔ شاید اس موضوع پر اس سے بہتر افسانہ نہ ملے۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

''منجھلی'' کردار نگاری کے حوالے سے بھی ایک اہم افسانہ ہے اس کا ہر کردار یعنی جو شخص اپنی شیر خوار بچی اپنے بے اولاد بھائی کو دیتا ہے، امی، بھابھی، بھائی، بڑی بیٹی منجھلی اور حتیٰ کہ گڑیا ایک ہی آنسو میں بھیگا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ قاری اگر باپ ہے یا ماں تو اس کی بانہیں گڑیا اور منجھلی کو اپنی آغوش میں لینے کے لئے آپ ہی آپ را ہو جاتی ہیں۔ یوں کہانی قاری پر آفاقیت کے در وا کرتی ہے اور افسانہ پڑھ لینے کے بعد قاری محسوس کرتا ہے کہ جذبات کا ایک بہت بڑا ریلا اس کے اوپر سے گزر گیا ہے۔ منجھلی میں ہمارے معاشرے کے ایثار و قربانی کے جذبے کو مثبت انداز سے پیش کیا گیا ہے۔ کیونکہ کسی بے اولاد، بہن بھائی کو اپنی اولاد دے دینا صرف سماج کا حصہ ہے۔ ایک حوالے سے یہ افسانہ محمد حمید شاہد کی ذاتی زندگی کے اس واقعے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جب انہوں نے اپنی منجھلی بیٹی رمشا حمید کو ایثار و قربانی کے اسی جذبے کے تحت اپنے بڑے بھائی محمد خورشید اعوان کی بیوی کے سپرد کر دیا تھا۔

محمد حمید شاہد کا افسانہ ''مراجعت کا عذاب'' معاشرے کی حقیقت نگاری کے پہلو پر لکھا گیا ہے۔ یہ افسانہ اپنے موضوع کے اعتبار سے انوکھا اور توجہ طلب بھی ہے۔ یہ قدرے طویل اور یکسوئی مانگنے والا افسانہ ہے۔ اس میں حقیقت نگاری کے اسلوب کو فنی مہارت کے ساتھ برتا گیا ہے۔ اس کا موضوع پوست کی وہ فصل ہے کہ جس سے نشہ آور اشیاء بنتی ہیں۔ یہ موضوع قبائلی علاقوں کے ارد گرد گھومتا ہے، وہاں کے لوگوں کی زندگی اور ان کے مسائل کا احاطہ کرتا ہے کہ کس طرح وہاں کا غریب اور مجبور طبقہ یہ زہر اگانے پر مجبور ہے۔ اگرچہ ان کے دل میں اس کے خلاف نفرت بھی پیدا ہوتی ہے مگر وہ معاشی حالات سے مجبور اور جکڑے ہوئے ہیں۔ اقتباس دیکھئے۔

> ''جب ریشم خان بڑے خان کے سامنے پیش ہوا تو اس کا بدن باد بان، طوفانی لفظوں کی زَد میں آ کر لرز رہا تھا۔ بڑے خان کے چہرے پر غصہ سانپ بن کر پھنکارنے لگا اور لفظ تیر بن کر برسنے لگے تھے۔ دفعتاً چپ ہو گیا۔
>
> ''۔۔۔ مگر تم بھائیوں پر تو جیسے تمہارے باپ کا سایہ بھی نہیں پڑا۔''۔۔۔''
>
> ''۔۔۔ اور یاد رکھو اب کوئی شکایت مجھ تک پہنچی تو وہ سزا دوں گا کہ تمہاری نسلیں بھی نہ بھول پائیں گی۔ میں چاہتا تھا کہ تم سے ساری زمین چھین لوں اور تمہیں بھوکا مرنے دوں، مگر مجھے اشرف خان کی وفاداری کا پاس ہے۔۔۔''(11)

اس افسانے میں تین بھائی زبر خان، ریشم خان اور اطلس خان ہیں۔ جو نسل در نسل پوست کی کاشت سے وابستہ ہوتے ہیں۔ یہ کام وہ بڑے خان کے لئے کرتے ہیں اور نتیجے میں انہیں روزمرہ کا کاروبار چلانے کے لئے معاوضہ ملتا ہے۔ اطلس خان جو کہ ان کا سب سے چھوٹا بھائی ہوتا ہے وہ نشے کا عادی ہو جاتا ہے اور مر جاتا ہے جس پر دونوں بھائی یکے بعد دیگر گاؤں چھوڑ کر شہر میں آباد ہو جاتے ہیں۔ ریشم خان اپنے بیٹے زریاب کو اپنی غربت کے باوجود محنت مزدوری کر کے پڑھاتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ یونیورسٹی کے درجے تک پہنچ جاتا ہے۔ یونیورسٹی میں اس کا دوست معیز ہوتا ہے جو کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے اور زریاب کی چھوٹی موٹی ضرورتیں پوری کرتا رہتا ہے۔ معیز ہیروئن کا عادی ہو جاتا ہے اور ایک روز انتہائی بے بسی کے عالم میں زریاب سے ہیروئن لانے کے لئے کہتا ہے۔ زریاب اپنے معاشی حالات اور باپ کی بیماری کی وجہ سے مجبور ہو کر گاؤں جاتا ہے مگر پھر اپنا ارادہ بدل کر کے واپس پلٹ آتا ہے۔ معیز کے بھیجے ہوئے بندے اس کا پیچھا کرتے ہیں اور اسے بے گناہ چوری کے الزام میں گرفتار کروا دیتے ہیں۔ معیز بھی تھانے پہنچتا ہے۔ زریاب کو امید ہوتی ہے کہ اس کا دوست اس کی مدد ضرور کرے گا مگر وہ کہتا ہے تمہاری مدد کروں گا تم وہ کرو جو میں کہتا

ہوں۔ زریاب یہ سن کر بہت غصے میں کہتا ہے میں نہیں کروں گا۔ اس افسانے میں کرداروں کی کثیر تعداد قاری کی توجہ مرکزی نقطے سے ہٹانے کا کام کرتی نظر آتی ہے۔ کہانی میں یہ بات عیاں ہے کہ کس طرح وہ لوگ کہ جو بظاہر معاشی حالات سے تنگ ہوتے ہیں مگر ان کے اندر برائی سے لڑنے کی ہمت موجود ہوتی ہے۔ اپنے ارادے کے پکے ہوں بھی تو لوگ ان کے گرد کیسے کیسے جال بن کر انہیں برائی کی دلدل میں دھنسا دیتے ہیں۔ اس افسانے کا اسلوب بہت دلکش ہے اور جزئیات نگاری بھی کمال کی ہے۔

اس مطالعے سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ محمد حمید شاہد کے افسانوں میں معاشرتی مسائل میں عورت کے اصل کردار کی نقش گری واضح ہوتی ہے عورت کن مسائل، کن الجھنوں اور اظہارِ ذات کے کن بنیادی المیوں سے دوچار ہو رہی ہے اور معاشرے میں ملازموں کے ساتھ توہین آمیز، معاشرے کی اصلیت کا پردہ چاک اور فن کی قدر و قیمت کا مقابلہ دولت سے کیا جا رہا ہے معاشرے کی حقیقت نگاری اور اس کے اسلوب کو فنی مہارت کے ساتھ ایک منفرد انداز میں برتا گیا ہے۔ محمد حمید شاہد کا ہر افسانہ اپنی ایک خاص معنویت، عصری آگہی، معاشرتی مسائل اور حقیقی سمت کی واضح نشان دہی کرتا ہے جو دیگر افسانہ نگاروں سے محمد حمید شاہد کی قدر و قیمت میں اضافے کا ثبوت ہیں۔

ISSN E: 2709-8273
ISSN P:2709-8265
JOURNAL OF APPLIED LINGUISTICS AND TESOL
JALT

حوالہ جات

1. محمد حمید شاہد، حیرت کا باغ،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز ،2021ء، ص: 49
2. ایضاً،ص:65
3. ایضاً،ص: 66
4. ایضاً،ص:67
5. محمد حمید شاہد، حیرت کا باغ،لاہور،سنگ میل پبلی کیشنز ،2021ء، ص: 163
6. ایضاً،ص:153
7. ایضاً،ص:154
8. ایضاً،ص:171
9. ایضاً،ص:173
10. ایضاً،ص:174
11. ایضاً،ص:100

References in Roman Script:

1. Muhammad Hameed Shahid,Hearat Ka Bagh, Lahore, Sang-e-Meel Publications,2021,p. 49
2. Ibid, p.65
3. Ibid, p.66
4. Ibid, p.67
5. Muhammad Hameed Shahid,Hearat Ka Bagh, Lahore, Sang-e-Meel Publications,2021,p.163
6. Ibid, p.153
7. Ibid, p.154
8. Ibid, p.171
9. Ibid, p.173
10. Ibid, p.174
11. Ibid, p.100